حدود اور قصاص کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی

ڈاکٹر محمود احمد غازی

ا۔ عورت کی گواہی کے بارہ میں جمہور فقہاء کے دلائل کا خلاصہ :

جمہور ائمہ بالخصوص ائمہ اربعہ اور ان کے مقلد دوسرے فقہاء کرام نے حدود و قصاص میں عورت کی گواہی کے قابل قبول نہ ہونے کے جو دلائل دیئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

ا۔ زہری کا اثر

حدود و قصاص میں عورت کی گواہی کے ناقابل قبول ہونے کی سب سے بڑی بنیاد بلکہ شاید واحد بنیاد امام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (المتوفی ۱۲۴ھ)کی وہ روایت ہے جس کو عام طور پر فقہاء کرام اپنی اپنی کتابوں میں نقل کرتے آ رہے ہیں۔ یہ روایت مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ اور مختلف عبارتوں میں بیان ہوئی ہے۔ جن میں خاصا اختلاف ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں چار مختلف عبارتیں :

ا۔ مضت السنتہ من لد ن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و الخلیفتین من بعدہ ان لا تقبل شہادۃ النساء فی الحدود و القصاص (ا)

۲۔ جرت السنتہ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین من بعدہ ان لا تقبل شہادۃ النساء فی الحدود (۲)

۳۔ مضت السنتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین بعدہ انہ لا تجوز شہادۃ النساء فی الحدود والنکاح و الطلاق (۳)

۴۔ جرت السنتہ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و الخلیفتین من بعدہ ان لا تقبل شہادۃ النساء فی الحدود و الدماء ۔(۴)

اس روایت کے الفاظ ' اضطرابات ' روایتی اور درایتی حیثیت پر گفتگو آگے چل کر ہو گی تاہم اسکی بنیاد پر حدود کے معاملات میں چاروں مذاہب میں عورتوں کی گواہی مکمل طور پر ناقابل قبول قرار دی گئی ہے۔ جب کہ بقیہ معاملات میں مثلاً" قصاص ' نکاح ' طلاق وغیرہ کے

معاملات میں عورت کی گواہی کی قبولیت یا عدم قبولیت کے بارے میں فقہائے کرام مختلف الرائے ہیں۔

ب۔ قرآن پاک میں استعمال ہونے والے صیغہ ہائے تذکیر

دوسری بڑی دلیل جس کی بنیاد پر حدود کے مقدمات میں عورت کی گواہی ناقابل قبول قرار دی گئی ہے ' قرآن مجید کے وہ الفاظ ہیں جہاں گواہی اور گواہوں کے سلسلہ میں مذکر صیغہ اور مذکر ضمیریں استعمال کی گئی ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک کی درج ذیل آیات میں استعمال ہونے والے صیغہ ہائے تذکیر کی بنیاد پر نہ صرف ائمہ اربعہ بلکہ فقہائے اسلام کی غالب ترین اکثریت نے حدود کے معاملات میں گواہی کو صرف مردوں تک محدود رکھا ہے اور حدیث نبویؐ میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا:

۱۔ و اللا تی یأ تین الفاحشۃ من نساء کم فاستشھدوا علیھن ار بعۃ منکم۔ فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت ۔

۲۔ لولا جائوا علیہ بار بعۃ شہداء فاذلم یاتو بالشہداء فاو لئک عند اللہ ھم الکاذبون۔

۳۔ ثم لم یأتوا بار بعۃ شھداء۔

۴۔ شاھد اک والاحد فی ظہر ک ۔ (حدیث نبوی)

ان آیات مبارکہ میں الفاظ اربعۃ ' منکم ' شھد وا ' شاھد اک وغیرہ سب مذکر صیغہ میں استعمال ہوئے ہیں اس لئے بعض فقہاء کرام نے (سب نے نہیں) اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے۔

ج۔ خواتین کی نفسیاتی خصوصیات

بعض فقہائے کرام نے خواتین کے بارہ میں اصل حکم (Rule) یہ قرار دیا ہے کہ ان کی شہادت سرے سے ناقابل قبول ہے تاہم مالیاتی اور نیم مالیاتی امور مثلاً اجارہ ' حبہ ' وصیت ' رھن ' کفالت وغیرہ میں ان کی گواہی ایک استثنائی صورت حال کے طور پر قبول کر لی جائے گی۔ دلیل کے طور پر ان حضرات نے خواتین کے قلب و دماغ پر جذبات و عواطف کی بالا دستی ' معاملات کی اچھی اور پختہ فہم میں اختلال اور ان کی ولایت کا کمزور ہونا بیان کیا ہے۔ (لقصور الولایتہ علی الاشیاء)

د۔ عورتوں کی گواہی میں بدلیت کا شبہ

چونکہ قرآن پاک نے آیت مداینہ میں اصل گواہی مردوں کی قرار دی ہے اور ان کی عدم موجودگی یا عدم دستیابی کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کی اجازت دی ہے اس لئے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اصل گواہی مرد کی ہے اور عورت اس کے بدل Substitute کے طور پر ہی قابل قبول ہے۔ اس سے ایک گونہ شبہہ عورت کی گواہی میں پیدا ہو جاتا ہے اور الحدود تندرئی بالشبہات ۔

۲۔ عورت کی گواہی کے بارہ میں قرآن و سنت کا عمومی رجحان

مذکورہ بالا دلائل کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن پاک یا سنت رسولؐ میں کوئی ایسی واضح اور صریح نص قطعی موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر کوئی حتمی اور طے شدہ رائے قائم کی جاسکے۔ مزید برآں جیسا کہ آگے چل کر ہم دیکھیں گے یہ مسئلہ صدر اسلام میں صحابہ کرام اور تابعین کے مابین مختلف فیہ رہا ہے اور جہاں صحابہ و تابعین کی غالب اکثریت نے یہ رائے اختیار فرمائی کہ حدود میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے وہاں ایسے صحابہ کرام اور تابعین بھی ہیں جنہوں نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے حدود میں عورتوں کی گواہی کو قابل قبول قرار دیا۔ لہٰذا یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ دور صحابہ و تابعین میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا اور مجتہدین صحابہ و تابعین نے اپنے اپنے اجتہادات کے مطابق اس معاملہ میں آراء اختیار فرمائیں۔ مذکورہ بالا چار دلائل کی حیثیت نصوص قطعیہ کی نہیں بلکہ محض شواہد و مؤیدات کی ہے جو جمہور کے اجتہاد کی تائید میں پیش کئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے صرف زھری کے اثر کا حوالہ دینا کافی سمجھا ہے اور بعض نے آیات و احادیث کے صیغہ ہائے تذکیر کی بنیاد پر گفتگو کی ہے۔ شبہ بدلیت اور قصور ولایت کی بات متاخرین کے ہاں ملتی ہے۔ متقدمین کے ھاں عموماً یہ دلائل نہیں ملتے۔ یوں بھی فقہاء کرام کا یہ اسلوب معلوم و معروف ہے کہ وہ اپنے امام مجتہد کے اقوال کی تائید میں جو عقلی دلائل دیتے ہیں ان کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ ان کے امام مجتہد نے محض ان کی بنیاد پر یہ رائے قائم کی ہے بلکہ یہ عقلی دلائل عموماً فریق ثانی پر اتمام حجت کے لئے دیئے جاتے ہیں ۔

قرآن مجید اور سنت رسولؐ کی متعلقہ نصوص پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں

تک گواہی کی اہلیت اور تحمل کا تعلق ہے وہ عورتوں اور مردوں کو یکساں طور پر حاصل ہے۔ قرآن پاک میں کئی مقامات پر شہداء کا لفظ استعمال ہوا ہے اور وہ بالاتفاق قطعی طور پر عورتوں اور مردوں دونوں کو شامل ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیات میں شہداء کے عموم میں عورتیں اور مرد دونوں شامل ہیں:

ا- واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل و امراتان ممن ترضون من الشهداء (٥)

ب- ولا ياب الشهداء اذا مادعوا (٦)

ج- يا ايها الذين امنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله (٧)

د- يا ايهاالذين امنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط (٨)

ان چاروں آیات مبارکہ میں شہداء (گواہان) کا لفظ قطعی طور پر مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔

۳- عورتوں کی گواہی کے بارہ میں صحابہ اور تابعین کا طرز عمل

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کے دور سے ہی اکثر مجتہدین کی رائے یہ رہی ہے کہ حدود اور قصاص کے معاملات میں عورت کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسی آراء اور فیصلے بھی کم نہیں ہیں جن کی رو سے ان معاملات میں عورتوں کی گواہی کو قابل قبول قرار دیا گیا اور ان کی بنیاد پر فیصلے دیئے گئے۔

صحابہ اور تابعین کے متعلقہ ارشادات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی گواہی کا مسئلہ ان کے مابین شدید اختلافی رہا ہے اور اس کے بارہ میں بے شمار اقوال موجود ہیں، لیکن یہ بات بڑی اہم ہے کہ کسی بھی صحابی یا تابعی سے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں کوئی قرآنی آیت یا حدیث نبوی منقول نہیں۔ اوپر جن چار دلائل کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک بھی کسی صحابی یا تابعی نے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں بیان نہیں کی۔ یہ دلائل فقہائے متاخرین نے اپنے اپنے ائمہ مجتہدین کی تائید مزید کے لئے بعد میں بیان کئے۔

مزید برآں حدیث کی مفصل کتابوں میں بعض صحابہ اور تابعین سے متعارض اقوال اور فیصلے بھی منسوب ہیں۔ ایک ہی صحابی (مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے بارہ میں یہ روایت

بھی ملتی ہے کہ طلاق کے معاملہ میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں اور یہ روایت بھی ملتی ہے کہ انھوں نے چار عورتوں کی گواہی کی بنیاد پر طلاق کا ایک فیصلہ صادر فرمایا۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ نکاح کے بارہ میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے عورتوں کی گواہی نکاح کے مقدمہ میں قبول فرمائی۔

اسی طرح کا اختلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں بھی ہے۔ ایک بیان کے مطابق انھوں نے نکاح ' طلاق' حدود اور قتل کے مقدمات میں عورت کی گواہی کو ناقابل قبول قرار دیا اور دوسرے بیان کے مطابق صرف عورتوں کی گواہی کی بنیاد پر قتل کے ایک مقدمہ کا فیصلہ فرمایا۔

رہا تابعین کی آراء کا معاملہ تو ان میں دونوں طرح کے نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ اکثریت کا رجحان بلاشبہ یہی ہے کہ حدود و قصاص کے معاملات میں عورت کی گواہی قابل قبول نہیں ہے لیکن ایسے حضرات بھی ہیں جن کے نزدیک حدود و قصاص یا صرف قصاص میں عورتوں کی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں بطور مثال وہ حوالے درج ہیں جن میں صحابہ و تابعین کی طرف سے عورتوں کی گواہی حدود و قصاص میں قبول کئے جانے کا ذکر ہے:

۱۔ أوطات امراۃ صبیا فقتلہ ' فشهد علیها اربع نسوۃ ' فاجاز علی بن ابی طالب شهادتهن۔

۲۔ عن هند بن طلق قالت : کنت فی نسوۃ و صبی مسحی ' فقامت امراۃ فمرت فوطئته فقالت ام الصبی: قتلته و اللہ : فشهد عند علی عشر نسوۃ انا عاشر تهن۔ فقضی علی علیها بالدیته۔

۳۔ عن محمد بن الحنفیه :تجوز شهادۃ النساء فی الدیتہ۔

۴۔ عن طاؤس : تجوز شهادۃ النساء فی کل شئ مع الرجال الا الزنا من اجل انه لا ینبغی أن ینظرن الی ذلک۔

۵۔ و اجاز عطاء بن ابی رباح شهادۃ النساء فی النکاح۔ وقال : لو شهد عندی ثمان نسوۃ علی امرأۃ بالزنا لرجمتها۔ وقال : تجوز شهادۃ النساء مع الرجال فی کل شئ ۔ و تجوز علی الزنا امرأتان و ثلاثته رجال۔

۶۔ وقال سفیان (فی احد قولیه): تقبل المراتان مع رجل فی القصاص و فی الطلاق و النکاح۔

۷۔ الزہری : اجازها فی الوصایا وفی الدیون وفی القتل۔

۸۔ وقال الشافعی : تقبل شهادة امراتین مع رجل فی الاموال کلها ....و فی قتل الخطاء

(مذکورہ بالا تمام حوالے شیخ محمد منتصر الکتانی کی کتاب معجم فقہ السلف (ج ششم ص۳۴۶۔ ۳۵۳) سے ماخوذ ہیں جنھوں نے یہ مواد المحلی (ج ۱۰ ص ۵۷۹ تا ۵۸۷)' نیل الاوطار (ج ۸ ص ۳۱۸۔ ۳۲۳)' المغنی (ج ۹ ص ۱۵۵۔ ۱۵۷)اور المجموع (ج ۲۰ ص ۲۵۶۔ ۲۵۷)سے لیا ہے۔)

۹۔ حکی صاحب البحر عن الا و زاعی و الزہری ان القصاص کالاموال فیکفی فیه شهادة رجلین او رجل و امراتین (۹)

۱۰۔ قال بعض الفقهاء : تجوز شهادة النساء فی الحدود (الطرق الحکمیه ص ۷۸)

۱۱۔ وقال عطاء و حماد بن ابی سلیمان : تقبل شهادة رجل و امراتین فی الحدود و القصاص (۱۰)

مذکورہ بالا صحابہ اور تابعین کے ان صریح اور قطعی اقوال اور فیصلوں کے علاوہ کئی روایات ایسی اور بھی موجود ہیں جن سے اشارۃ یہ بات نکلتی ہے کہ عورت کی گواہی حدود و قصاص میں قابل قبول ہے۔ مثال کے طور پر :

۱۲۔ و عن عمر بن الخطاب : ان مکان کل شاهد رجل امراتان فلا تقبل فیهما یقبل فیه رجلان الا اربع نسوة (۱۱)

۱۳۔ و عن علی مثل ذ لک (جیسا کہ آنجنابؓ کے مذکورہ بالا اور فیصلوں سے اس کی تائید ہوتی ہے)۔

۱۴۔ وهو قول الشعبی ۔

۱۵۔ و النخعی فی احد قولیها ۔

۱۶۔ وعطاء ۔

۱۷۔ وقتادة فی قوله جملته ۔

۱۸۔ والشافعی و اصحابه ۔

۱۹۔ و داؤد و اصحابہ (۱۲)

۲۰۔ ابن حزم ظاهری (عورت کی گواہی ہر معاملہ میں جائز ہے بشرطیکہ ایک مرد کی جگہ دو عورتیں ہوں)۔

۲۱۔ قریب قریب یہی رائے امام جعفر صادق کی بھی ہے۔

علاوہ ازیں بعض ائمہ مجتہدین صرف ایک گواہ اور مدعی کی قسم کی بنیاد پر بھی قصاص کے معاملات کا فیصلہ کر دینے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام مالک (۱۳)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک گواہ اور ایک قسم کی بنیاد پر دیوانی (مالی)معاملات کے فیصلہ کی روایات صحابہ کرام کی بڑی تعداد سے مروی ہیں اور قریب قریب تمام ائمہ حدیث نے انکو روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین میں سے بہت بڑی تعداد کا مسلک بھی یہی ہے۔ لیکن امام زھری اپنی تحقیق میں اس کو بدعت قرار دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا امثلہ اور شواھد سے (جن میں مزید تلاش و تفحص سے اضافہ کیا جا سکتاہے) واضح طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حدود و قصاص کے مقدمات میں عورت کی گواہی کا قابل قبول یا ناقابل قبول ہونا ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور صدر اسلام سے لیکر بعد تک کے فقہاء اس میں مختلف الرائے رہے ہیں۔ اس پر اجماع کا دعوی نہایت کمزور۔ اور فقہی لٹریچر سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

۴ ۔ زھری کا اثر۔ ایک تنقیدی جائزہ

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ عورت کی گواہی ناقابل قبول ہونے کے بارہ میں قرآن مجید یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی واضح ' صریح اور قطعی الدلالتہ حکم موجود نہیں ہے۔ بلکہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی رسول اللہؐ سے کوئی قولی یا فعلی حدیث ایسی منسوب نہیں کی گئی جس سے اس مسئلہ پر کوئی روشنی پڑتی ہو۔ اس معاملہ میں واحد حدیثی بنیاد امام زھری کا وہ مشہور بیان ہے جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ یہ بیان روایتی اور درایتی دونوں اعتبار سے اس قدر کمزور ہے کہ اس کی بنیاد پر کسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنا بڑی جسارت کا کام ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ اس بیان کے چند کمزور

پہلوؤں کی نشان دہی کی جا رہی ہے:

۱۔ اگرچہ متاخرین فقہائے کرام کے ہاں زھری کا یہ اثر معروف ہے لیکن کبار محدثین میں سے کسی نے اس کو روایت نہیں کیا۔ صحاح ستہ ' موطا امام مالک' موطا امام محمد' مسند امام احمد وغیرہ میں سے کسی میں یہ اثر موجود نہیں ہے۔ محدثین میں سے صرف ابو بکر بن ابی شیبہ نے اس کو المصنف میں روایت کیا ہے۔ یاد رہے کہ ابو بکر ابن ابی شیبہ کی المصنف حدیث کی ان کتابوں میں سے ہے جس کو شاہ ولی اللہ محدث دھلوی نے استناد کے اعتبار سے درجہ سوم میں قرار دیا ہے۔

۲۔ ابن شیبہ کے اصل الفاظ میں صرف الحدود والدماء (حدود اور قتل کے مقدمات) کے الفاظ آتے ہیں۔ بقیہ الفاظ مثلاً" النکاح ' الطلاق وغیرہ صرف فقہ کی کتابوں میں ملتے ہیں ' کسی حدیث کی کتاب میں تلاش کے باوجود یہ الفاظ نہیں ملے۔

۳۔ خود امام زھری جن کی یہ روایت ہے ' قصاص کے مقدمات میں عورت کی گواہی کو قابل قبول قرار دیتے ہیں ' جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ محدثین کے ہاں وہ روایت کمزور مانی جاتی ہے جس کے راوی کا خود اس کے خلاف فتویٰ اور عمل ہو۔

۴۔ اوپر صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے بہت سے حوالے دیئے گئے ہیں جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ صدر اسلام میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا اور اس کو سنت کا طے شدہ حکم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اگر یہ طے شدہ سنت ہوتی تو یہ اختلاف رائے موجود نہ ہوتا۔ لہذا امام زھری کا اس رائے کو طے شدہ سنت قرار دینا محل نظر ہے۔

۵۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام شافعی (متوفی ۲۰۴ ھ) جن کا زمانہ مولفین صحاح ستہ سے پہلے ہے۔ عورت کی گواہی کے بارہ میں اس رائے کے قائل ہیں کہ وہ حدود کے معاملات میں معتبر نہیں لیکن انہوں نے کتاب الام میں کہیں بھی نہ تو زھری کے اس اثر کو دلیل کے طور پر بیان کیا اور نہ اپنی اس رائے کی تائید میں کسی اور صحابی یا تابعی کی روایت بیان کی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام شافعی اس کو ایک اجتہادی رائے ہی سمجھتے تھے اور اس کے سنت پر مبنی ہونے کے قائل نہ تھے۔

۶۔ امام مالک نے جو امام زھری کے خاص تلامذہ میں سے ہیں اور جن کی کتاب موطا زھری کی فقہی آراء کا ایک بڑا اہم ماخذ ہے' کہیں بھی زھری یا کسی اور کے حوالے سے ایسی کوئی

روایت نقل نہیں کی جس کا مفہوم یہ ہو کہ عورت کی گواہی کا قبول نہ کیا جانا سنت کی بنیاد پر ہے۔

۷۔ صاحب نیل الاوطار نے امام مالک سے یہ روایت منسوب کی ہے : رواہ مالک عن الزھری قال : مضت السنۃ انہ لا یجوز شھادۃ النساء فی الحدود ولا فی النکاح و الطلاق۔ لیکن نہ یہ روایت موطا امام مالک میں ملی اور نہ موطا امام محمد میں۔ بالفرض اگر امام مالک نے یہ روایت بیان کی بھی ہو تو بھی یہ روایت کم از کم احناف کے لئے دلیل نہیں بن سکتی ' اس لئے کہ احناف نکاح و طلاق میں نہ صرف عورت کی گواہی کے قابل قبول ہونے کے قائل ہیں بلکہ ان مقدمات میں عورت کو قاضی بھی تسلیم کرتے ہیں۔

۸۔ کئی محدثین (مثلاً علامہ شوکانی) (۱۴) زھری کے اس اثر پر روایتی نقطہ نظر سے بھی تنقید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک تو اس میں حجاج بن ارطاۃ راوی ضعیف ہیں 'دوسرے حدیث مرسل ہے ' جس کی بنیاد پر کوئی ایسی دلیل قائم نہیں کی جا سکتی جس سے قرآن کے کسی عمومی بیان کی تخصیص کی جا سکے۔ پھر نہ صرف یہ بلکہ بعض حضرات نے اس کمزور اثر پر قیاس کرکے بعض اور چیزوں کو بھی قرآن کے عموم سے خارج کر دیا ہے (یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام شوکانی نے صیغہ ہائے تذکیر کی بنیاد پر کیا جانے والا استدلال قبول نہیں کیا)۔

۹۔ امام زھری کا شمار صغار تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کی یہ روایت مرسل سے زیادہ منقطع ہونے کا احتمال رکھتی ہے۔ منقطع کے بارہ میں علوم حدیث کے ماہرین کی رائے یہ ہے کہ :

لا تقوم الحجۃ بالحدیث المنقطع ' و ھو الذی سقط من روایتہ واحد ممن دو ن الصحابہ (۱۵)

۱۰۔ امام زھری کی اس روایت کو اگر مرسل بھی مان لیا جائے (جس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے)تو بھی مرسل حدیث اکثر محدثین کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ جو لوگ مرسل روایات کو ناقابل استدلال قرار دیتے ہیں ان میں امام تابعین سعید بن المسیب ' امام مالک ' خود امام زھری ' امام اوزاعی ' عبداللہ بن مبارک اور بہت سے ائمہ حدیث شامل ہیں۔ یہ درست ہے کہ امام ابو حنیفہ اور دوسرے بعض فقہاء مرسل روایات کو قبول کرتے ہیں لیکن جمہور محدثین کی رائے یہی ہے کہ یہ ناقابل قبول ہیں۔

۱۱۔ مرسل حدیث کے اس عمومی ضعف سے بھی بڑھ کر ائمہ حدیث نے امام زھری کی مرسل روایات کو خاص طور پر کمزور قرار دیا ہے۔ مشہور امام حدیث امام ابن ابی حاتم رازی

(متوفی ۳۲۷ھ) نے اپنی کتاب المراسیل میں امام حدیث یحیی بن سعید القطان کی یہ رائے نقل کی ہے کہ زھری اور قتادہ کی مرسل روایات کچھ نہیں ہیں یہ محض پادر ہوا باتیں ہیں۔ (هو بمنزلة الريح) یہی رائے دوسرے امام حدیث یحیی بن معین کی بھی ہے (مراسیل الزھری لیس بشی) کتاب المراسیل' ص ۳) ایک متاخر محدث علامہ محمد بن اسماعیل الصنعانی نے زھری کے مراسیل کے بارہ میں آراء نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ومراسيل الزهري قبيحة (سبیل الاسلام ج ۳' ص ۲۵۰)

۱۲۔ مزید برآں امام زھری کی ایسی بہت سی روایات کتب حدیث میں بکھری ہوئی ہیں جن میں انھوں نے تحقیق کی بنیاد پر ایک چیز کو سنت قرار دیا ہے لیکن وہ سنت نہیں ہے یا کم از کم اس کا سنت ہونا متفق علیہ نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو امام زھری سنت کے لفظ کو اپنے کسی خاص مفہوم میں استعمال کرتے ہیں یا اگر وہ چیز ان کی اپنی تحقیق میں سنت ہوتی ہے تو وہ اس کو مضت السنة (سنت چلی آ رہی ہے) کے الفاظ سے ادا کر دیتے ہیں۔ کتب حدیث میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں' ذیل میں ایسی چند مثالیں دی جاتی ہیں جن سے اندازہ ہو گا کہ محض امام زھری کا کسی فعل یا عمل کو سنت قرار دینا اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ اس کو سنت رسول اللہؐ قرار دے دیا جائے۔

ا۔ قال الزهري: مضت السنة ان في الحلي الزكوة - زھری کہتے ہیں کہ سنت چلی آ رہی ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے۔ امام زھری کا یہ بیان درست نہیں ہے۔ دور صحابہ اور تابعین میں یہ مسئلہ اختلافی تھا اور صحابہ کرام میں سے حضرت عائشہ' حضرات براء بن عازب' حضرت جابر بن عبداللہ حضرت اسماء بنت ابی بکر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھم اور تابعین میں سے حضرت عمرہ بنت عبدالرحمان' امام محمد الباقر' لیث بن سعد' سعید بن المسیب' حسن بصری' طاؤس' امام شعبی وغیرہ زیورات پر زکوہ کے قائل نہیں تھے۔ اگر زیورات پر زکوہ کا واجب الادا ہونا اصطلاحی معنوں میں سنت رسولؐ کا حکم ہوتا تو حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر جیسے فقہائے صحابہ اس سے بے خبر نہیں رہ سکتے تھے اور نہ یہ مسئلہ اس دور میں مختلف فیہ ہوتا (۲۱)

ب - قال الزهري: بلغنا في السنة ان لا يدخل بامراة حتى يقدم نفقته او يكسو كسوة: ذلك مما عمل به المسلمون۔ زھری کہتے ہیں' ہمیں یہ سنت پہنچی ہے کہ کوئی شخص (شادی کے

بعد)اس وقت تک بیوی کے پاس نہ جائے جب تک اس کا نفقہ پیشگی ادا نہ کر دے یا کوئی جوڑا پہننے کے لئے اس کو نہ دیدے ' یہ وہ بات ہے جس پر مسلمانوں کا عمل ہوتا آیا ہے۔ امام زہری سے منسوب یہ بیان بھی درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ نہ احادیث سے مسلمانوں کا یہ عمل ہونا ثابت ہے اور نہ ایسا لازمی طور پر کرنا سنت ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر نے صراحت کی ہے کہ دور نبوی میں ایسا کرنا لازمی نہیں تھا۔ یہی رائے حضرت حسن بصری ' ابراہیم نخعی ' سفیان ثوری ' امام شافعیؒ امام ابو حنیفہ اور داؤد ظاہری کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ بھی اجتہادی ہے۔' امام زہری نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنیاد پر ایک چیز کو سنت قرار دیا ہے جب کہ وہ واقعہ میں سنت رسولؐ نہیں ہے۔(۱۷)

ج۔ السنتہ ان یودی المستفاد منہ سنت یہ ہے کہ جس سے (اعضاء اور زخموں کا)انتقام لیا گیا ہو (اور وہ مر جائے) تو اس کو دیت ادا کی جائے گی۔ یہ مسئلہ بھی اختلافی اور اجتہادی ہے۔ خود خلفائے راشدین میں حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروق ' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے علاوہ تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے سعید بن المسیب ' حسن بصری محمد بن سیرین ' قاسم بن محمد ' سالم ' یحیٰ بن سعید الانصاری ' امام مالک امام شافعی اور داؤد ظاہری اس کے قائل ہیں کہ اس صورت میں نہ دیت ہے اور نہ کوئی اور سزا۔ ظاہر ہے کہ اس اختلافی اور اجتہادی رائے کی سنت رسول قرار نہیں دیا جا سکتا۔(۱۸)

د۔ قال ابن شهاب : واخبرنی عروة بن الزبیر ان عمر بن الخطاب غرب ' ثم لم تزل تلک السنتہ (۱۹)

ابن شہاب (زہری) کہتے ہیں کہ مجھے عروہ بن زبیر نے بتایا کہ حضرت عمر نے (بدکاری کی سزا میں)جلا وطن بھی کیا اور اس وقت سے یہ سنت چلی آ رہی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور سب فقہائے احناف جلاوطنی کو سزائے زنا کا جزو نہیں مانتے۔ لہذا احناف کی حد تک یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ سنت چلی آ رہی ہے۔ احناف کے تفصیلی دلائل ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔

یہ بات صرف امام زہری کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دیگر ائمہ حدیث و فقہ بھی جب ایک چیز کو اپنی تحقیق میں سنت قرار دیتے ہیں تو اس کے لئے یہی اسلوب بیان اختیار کرتے ہیں لیکن اس اسلوب بیان کا یہ مفہوم کبھی نہیں سمجھا گیا کہ دوسرے محققین نے بھی

اس چیز کا سنت ہونا تسلیم کر لیا ہے۔ اس کا یہی مفہوم و مدعا ہے کہ اس محدث کی رائے میں وہ فعل یا عمل سنت ہے۔ ضروری نہیں کہ دوسروں کی تحقیق بھی وہی ہو۔ مثلاً" امام احمد فرماتے ہیں : مضت السنة ان یقضی بالیمین مع الشاهد الواحد ' فان ابی ان یحلف استحلف المطلوب ' سنت چلی آ رہی ہے کہ ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے۔ اگر مدعی قسم کھانے سے انکار کر دے تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے۔ سب جانتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور فقہائے احناف کی تحقیق میں ایسا کرنا نہ صرف سنت نہیں ہے بلکہ عموم قرآن سے بھی متعارض ہے۔

اس ساری گفتگو سے یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ امام زہری کے اس اثر کی بنیاد پر عورت کی گواہی کے ناقابل قبول ہونے کو سنت رسولؐ پر مبنی قرار دینا بہت مشکل ہے۔ اول تو اس اثر کی روایتی حیثیت بہت کمزور ہے۔ دوسرے درایتی اعتبار سے اس میں بہت سے پہلو قابل غور ہیں۔ تیسرے سنت کی اصطلاح کے بارہ میں امام زہری کا اپنا ایک طرز عمل ہے جس کی بنیاد پر وہ اپنی ذاتی تحقیق کو بعض اوقات سنت کے نقطہ نظر سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے یہاں سنت سے امام زہری کی مراد اصطلاحی معنی میں سنت رسول نہ ہو بلکہ محض مروجہ طریقہ اور طرز عمل ہو۔

۵ ۔ تذکیر و تانیث اور عدد و معدود کی بحث

بعض متاخر فقہاء نے گواہ کے مرد ہونے کی شرط کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے قرآن مجید اور سنت رسولؐ کی نصوص میں آمدہ صیغہ ہائے تذکیر سے استدلال کیا ہے۔ اگرچہ امام شافعی جیسے امام فقہ اور ماہر عربیت نے کتاب الام میں اس رائے کو صرف اپنی اجتہادی رائے کی حیثیت سے بیان کیا ہے اور کہیں بھی اس استدلال کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن بعض متاخر شافعی فقہاء (۲۰)(مثلاً" ابو اسحاق شیرازی) نے اس رائے کو اسی دلیل پر مبنی قرار دیا ہے۔ بظاہر یہ دلیل وزنی معلوم ہوتی ہے اور بیشتر متاخرین نے اس کو بنیاد بنایا ہے۔ حتی کہ بعض حضرات نے اس کو اس معاملہ میں نص قطعی قرار دے دیا ہے۔ لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے تو یہ دلیل نہ نص قطعی کے حکم میں ہے اور نہ خود اتنی مضبوط ہے کہ اس کی بنیاد پر اس معاملہ کو طے شدہ قرار دیا جا سکے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو ایک اجتہادی رائے کے حق میں

ایک تائیدی نکتہ کہا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید کا عموی اسلوب یہ ہے کہ اس کے الفاظ ' صیغے ' اوامر و نواہی اکثر و بیشتر صیغہ مذکر میں آئے ہیں اور اگر کوئی نص صراحۃ" عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کرنے والی نہ ہو تو اس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوتی ہیں۔ یہ نہ صرف قرآن مجید بلکہ حدیث رسول اور عربی زبان کا ایک عام اسلوب ہے جس سے انکار کرنا بدیہیات کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ قرآن مجید میں جہاں تذکیر و تانیث دونوں کے صیغے ساتھ ساتھ آئے ہیں وہ اس لئے نہیں ہیں کہ صیغہ مذکر میں عورتیں شامل نہ تھیں بلکہ صرف عورتوں کا الگ سے ذکر کرکے تاکید اور اہمیت مقصود تھی۔ جیسے : ان المسلمین و المسلمات و المئومنین و المومنات و القانتین و القانتات و الصادقین و الصادقات......(۲۱)

لیکن جہاں صرف تذکیر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں وہاں بلا اختلاف اور بلا شک و شبہ تانیث داخل ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیات جہاں صیغہ مذکر استعمال ہوا ہے اور اس میں قطعی طور پر عورتیں داخل ہیں:

۱۔ ذالک الکتاب لا ریب فیہ ' ھدی للمتقین الذین یئومنون بالغیب و یقیمون الصلوۃ و مما رزقناھم ینفقون۔ والذین یئومنون بما انزل الیک و ما انزل من قبلک و بالاخرۃ ھم یوقنون ' اولئک علی ھدی من ربھم و اولئک ھم المفلحون (۲۲)

قرآن پاک کی ان ابتدائی آیات میں تذکیر کے پندرہ صیغے استعمال ہوئے ہیں اور شاید نزول قرآن کے وقت سے لیکر آج تک کسی کو اس میں شبہ نہیں ہوا کہ یہ صفات مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہیں۔ یہ بات بیان کرنا شاید دلچسپی کا باعث ہو کہ قرآن پاک میں متقین (بصیغہ جمع مذکر) تقریباً" پچاس مرتبہ استعمال ہوا ہے اور متقیہ یا متقیات (بصیغہ مونث) ایک بار بھی نہیں آیا۔ کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ عورتوں کے لئے متقی ہونا ضروری نہیں۔؟

۲۔ قرآن میں بنی اسرائیل (اسرائیل کے بیٹے) کی ترکیب یہودیوں کے لئے تقریباً" چالیس مرتبہ استعمال ہوئی ہے اور قطعی طور پر اس میں بنات اسرائیل (اسرائیل کی بیٹیاں) بھی شامل ہیں۔

۳۔ قرآن پاک میں بنی آدم (آدم کے بیٹے) کی ترکیب بار بار استعمال ہوئی ہے اور قطعی طور پر اس میں بنات آدم شامل ہیں۔

۴۔ وکذلک جعلنا کم امتہ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا(۲۳)

یہاں تذکیر کے چار صیغے استعمال کئے گئے ہیں لیکن ان سب میں قطعی طور پر عورتیں شامل ہیں۔ امت وسط جس طرح مردوں پر مشتمل ہے اسی طرح خواتین اسلام پر بھی مشتمل ہے۔ شہداء (حق کے گواہ) میں بھی مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔

۵۔ و حیث ماکنتم فولوا وجوھکم شطرہ - (۲۴) یہاں تذکیر کی تینوں ضمیروں میں عورتیں بھی قطعی طور پر شامل ہیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید یا سنت رسول میں کوئی اور نص ایسی کہیں بھی موجود نہیں ہے جس میں خاص طور پر عورتوں کو کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہو۔

قرآن پاک کی صرف ایک سورت سے یہ چند سرسری مثالیں ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں بھی تذکیر کے صیغے اور ضمیریں استعمال ہوئی ہیں اور کوئی واضح قرینہ ایسا موجود نہیں ہے جس سے اس کا صرف مردوں تک منحصر ہونا معلوم ہوتا ہو وھاں قطعی طور پر اس کے حکم میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ قرآن پاک سے ایسی سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں مثالیں جمع کی جا سکتی ہیں صرف سورہ بقرہ سے پارہ دوم سے درج ذیل دو درجن آیات اور سو سے زائد مثالیں اس مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں:

آیات نمبر: ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۸، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۸، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۰۸، ۲۱۵، ۲۲۵، ۲۳۳۔

تذکیر و تانیث کے باب میں یہی اسلوب حدیث نبوی کا ہے۔ یہاں بہت سی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں۔ چند مثالیں کافی ہیں۔ جو بلوغ المرام کے ابتدائی چند صفحات سے جستہ جستہ لے لی گئی ہیں:

۱۔ لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیہ -

۲۔ لا تشربوا فی انیتہ الذھب و الفضتہ ولا تاکلوا فی صحافھا فانھا لھم فی الدنیا و لکم فی الاخرۃ۔

۳۔ اذا استیقظ احدکم من نومہ فلا یغمسن یدہ فی الاناء حتی یغسلھما ثلاثا، فانہ لا یدری این باتت یدہ -

صرف یہی نہیں بلکہ احادیث میں بعض جگہ صراحۃ الرجل (مرد) کا لفظ آیا ہے لیکن وہاں عورت بھی مراد ہے۔ بلوغ المرام ہی سے چند سرسری مثالیں ملاحظہ ہوں :

۱- من ادرک مالہ بعینہ عند رجل قد افلس فھوا حق بہ من غیرہ ۔

۲- اذا تبایع الرجلان فکل واحد بالخیار ما لم یتفرقا۔

۳- لا یبیع الرجل علی بیع اخیہ ۔

اسی طرح ھم اور کم کی مذکر ضمیروں پر بہت زور دیا گیا ہے۔ لیکن تذکیر کے دوسروں صیغوں کی طرح ہم اور کم کی ضمیریں بھی مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ بلکہ بعض جگہ صرف خواتین کے لئے یہ ضمیریں استعمال ہوئی ہیں :

۱- انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا۔

یہاں بالاتفاق تمام سنی مفسرین کے نزدیک ازواج مطہرات مراد ہیں۔ شیعہ حضرات اپنی اصطلاح میں اھل بیت مراد لیتے ہیں جن میں مرد اور خواتین دونوں شامل ہیں۔

۲- ذلکم ازکی لکم و اطھر- یہاں بھی یہ دونوں ضمیریں شوہروں اور بیویوں دونوں کے لئے استعمال ہوئی ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی کے علاوہ کلام عرب میں بھی یہ اسلوب عام ہے کہ مذکر ضمیریں بول کر مرد اور خواتین دونوں کو یا صرف خواتین کو مراد لیتے ہیں۔ حماسی شاعر جعفر بن علبہ الحارثی کہتا ہے :

فلا تحسبی انی تخشعت بعد کم لشیء ولا انی من الموت افرق

ولا ان نفسی یز دھیھا و عیدکم ولا اننی بالمشی فی القید ا خرق.

ایک اور حماسی شاعر ابو عزہ الھذلی کہتا ہے :

بید الذی شغف الفواد بکم تفریج مالقی من الھم

فتعلمی ان قد کلفت بکم ثم افعلی ماشئت عن علم

اسی طرح جب ہم قرآن پاک میں استعمال ہونے والے دوسرے اعداد ثلاثہ ، خمستہ عشرہ وغیرہ کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ مذکر ہونے کے باوجود انکا استعمال مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہوا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات مبارکہ :

۱- مایکون من نجوی ثلاثتہ الاھو رابعھم ولا خمستہ الاھو سادسھم۔ (۲۵)

۲۔ فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ماتطعمون اهلیکم او کسوتهم ۔(۲۶)

ان تمام اعداد میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی قطعاً شامل ہیں۔ ان میں دوسری آیت مبارکہ خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں عشرہ، مساکین اور کسوتھم میں ضمیر ہم سب مذکر ہیں اور ہمارے فقہائے کرام کے سابقہ استدلال کے بموجب صرف مرد مسکینوں کو کھانا کھلانا ضروری ہونا چاہیے۔ لیکن یہاں کسی نے بھی مرد ہونے کی شرط نہیں لگائی۔ بلکہ بعض نے صراحت کی ہے کہ نادار عورت کو بھی کھانا یا کپڑا دیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ کلام:

اپنی گزارشات میں ہم نے دو پہلوؤں سے متعلق تفصیلاً اپنا نقطہ نظر پیش کیا اور یہی دو قابل نظر دلیلیں تھیں جن کے بارے میں گزارشات پیش کی گئیں۔ بقیہ دو دلائل محض ایک نقطہ نظر کی تائید میں عقلی توجیہات ہیں جن کو نہ کوئی مضبوط شرعی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ اس طرح کے دلائل کی بنیاد پر شریعت کے قطعی احکام کا تعین ہو سکتا ہے۔ فقہائے کرام کی جانب سے ایسے عقلی دلائل کا دیا جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ معاملہ کو اجتہادی معاملہ سمجھتے تھے اور انھوں نے جو رائے قائم کی وہ ان کی اجتہادی رائے تھی جس سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔

ان گزارشات کو ختم کرنے سے قبل ایک بار پھر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ائمہ اربعہ کے متفق علیہ نقطہ نظر سے ہٹ کر کسی اور رائے کا اختیار کرنا بڑی بھاری اور نازک ذمہ داری ہے جس کے لئے بہت غیر معمولی احتیاط اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس سے قبل دنیائے اسلام کے دوسرے ممالک کے علاوہ خود پاکستان میں بہت سے معاملات میں ائمہ اربعہ کی رائے سے ہٹ کر نقطہ ہائے نظر اختیار کئے گئے ہیں اور ان کو قبول عام بھی حاصل ہوا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں اور خود اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے علاوہ رائج الوقت اسلامی قوانین میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ ایک معاملہ میں ائمہ اربعہ کی رائے سے ہٹ کر کوئی اور رائے اختیار کی گئی۔ اس لئے راقم الحروف کی یہ جسارت اس نوعیت کی پہلی جسارت نہیں ہے اور شاید آخری بھی نہیں ہوگی۔ ان گزارشات کی روشنی کی راقم الحروف کی رائے کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ حدود و قصاص اور دوسرے تمام معاملات میں عورتوں اور مردوں کی گواہی یکساں طور پر

معتبر ہے۔

۲۔ البتہ قرآن پاک اور سنت رسول خدا کی قطعی نصوص کی بنیاد پر دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوگی۔

۳۔ حدود و قصاص کے تمام معاملات قرینہ قاطعہ کی بنیاد پر بھی طے کئے جا سکتے ہیں اور ان کی بنیاد پر حدود کی سزائیں دی جا سکتی ہیں۔ قرینہ قاطعہ کا حدود و قصاص میں قابل قبول ہونا قرآن پاک ' سنت رسول ' تعامل صحابہ اور اقوال ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے۔ اس لئے اس کے خلاف کسی فقیہ کی رائے کو قابل قبول نہیں کہا جا سکتا۔

۴۔ زنا بالجبر کو حرابہ قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ زنا' زنا ہے چاہے بالرضا ہو یا بالجبر' البتہ زنا بالرضا کی صورت میں فریقین اور بالجبر کی صورت میں صرف جبر کرنے والا فریق مستوجب سزا ہوگا۔

حوالہ جات

۱- الکاسانی ' ابی بکر مسعود ' بدائع الصنائع ' ج ٦ ' ص ۲۷۹ ' کراچی ۱۹۸۱ء
۲- الشیرازی ' ابو اسحاق ' المذهب فی الفقه الشافعی ج ۲ ' ص ۳۳۳ ' قاهره
۳- الکتانی ' محمد المنتصر ' معجم فقه السلف ' ج ٦ ص ۳۴٦ ' مکه مکرمه
۴- ابن ابی شیبه ' المصنف ' ج ٦ ص ۵۷۰ ' مطبوعه کراچی
۵- القرآن ' سور البقره ۲۸۲
٦- ایضاً
۷- القرآن ' النساء ۱۳۵
۸- القرآن ' المائده ۸
۹- شوکانی ' محمد علی ' نیل الاوطار ' ج ۸ ص ۲۰۷
۱۰- ابن القیم الجوزیه امام ابو عبدالله محمد بن ابی بکر الطرق الحکمیه ص ۱۳۳
۱۱- الکتانی ' محمد المنتصر ' معجم فقه السلف ' ج ٦ ' ص ۳۵۰ ' مکه مکرمه
۱۲- ایضاً
۱۳- ایضاً ' ص ۳۵۲- ۳۵۳
۱۴- شوکانی ' محمد بن علی ' نیل الاوطار ' ج ۸ ص ۲۰۷
۱۵- ارشاد الفحول
۱٦- الکتانی ' محمد المنتصر ' معجم فقه السلف- ج ۳ ص ۱۳۹- ۱۴۰ ' مکه مکرمه
۱۷- ایضاً ... ج ۷ ص ۱۳- ۱۵
۱۸- ایضاً ج ۸ ' ص ۱۰۳
۱۹- بخاری مع فتح الباری ' ج ۱۲ ص ۱۳۳
۲۰- شیرازی ' ابواسحاق ' المذهب ' ج ۲ ص ۳۳۳
۲۱- القرآن ' احزاب
۲۲- القرآن بقره ۲- ۵
۲۳- القرآن بقره ۱۴۳
۲۴- ایضاً بقره ۱۴۴
۲۵- القرآن ' مجادلہ ۷
۲٦- القرآن مائده ۸۹